© rasailojaraid.com

یہ جُگ بیت گیا ہے

شیطاں ناچ رہا ہے
یزداں کانپ رہا ہے
مجھ کو ایسے لگتا ہے، یہ جُگ بیت گیا ہے

کلجگ میرے چاروں جانب، تاریکی کے سائے ہیں
اس بستی کے رہنے والے جور و جفا کے جائے ہیں
یہ کذب و دغا کے پالے ہیں۔
تہذیب نبیؐ سے بیگانے ہیں اور کفر کے یہ متوالے ہیں
ان کے دل کی دنیا میں تو سٹیفن، لُشش اور للے ہیں
تیز زبانیں، چہرے روشن، دل کے کھوٹے کالے ہیں
بستی والو تم نے ان سے کیسی آس لگا رکھی ہے
ان کی دیوی نے تو دل میں اگنی دیوی سجا رکھی ہے
اس نے چاروں اُور کی دھرتی
راون نام چڑھا رکھی ہے
اس کی آشا پاپ سندرتا
اس کا آدرش ہے کلبیر
ہر پاؤں میں ایک ڈنڈا بیڑی
ہاتھوں میں زنجیر
قربان تیرے راج پاٹ کے
راج ہے بے نظیرا

قمرالحسنین قمر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی

ساغر صدیقی مرحوم

ایک حساس اور رنگین نوا شاعر

کوئی تیس سال اُدھر کی بات ہے۔ لاہور میو ہسپتال روڈ پر۔ اخبار فروش یونین کے دفتر میں بابائے صحافت مولانا ظفر علی خان کی یاد میں جلسہ منعقد ہوا۔ تلاوت کلام پاک کے بعد ساغر صدیقی کا نام پکارا گیا۔ ایک خراب حال شخص اسٹیج پر آیا۔ نہایت دلآویز ترنم میں غزل سنائی۔ پوری محفل پھڑک اٹھی اور شاعر داد و تحسین کے پھول سمیٹتے ہوئے غزل والا میلا سا کاغذ بڑی بے نیازی سے سٹیج پر پھینک کر چلتا بنا۔

اس کے بعد میں نے ساغر صدیقی کو اکثر سرکلر روڈ کے ساتھ ساتھ شاہ عالمی اور لوہاری گیٹ کے درمیان پائیں باغ میں۔ پانی والے مٹکوں کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ٹوٹے ہوئے بازو کو پھٹی پرانی چادر میں چھپائے۔ کاغذ کے بوسیدہ ٹکڑوں پر شعروں کے موتی رولتا رہتا۔ آج جب اُسے دنیا سے گئے ہوئے پندرہ سال ہو گئے ہیں میں نے اس مختصر سے مضمون میں اسکی میلی کچیلی چادر کی رعنایاں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔

ساغر صدیقی کا اصل نام محمد اختر تھا۔ ۸ جنوری ۱۹۲۸ء کی صبح انبالہ میں آنکھ کھولی۔ بچپن سہارنپور میں گزرا ماں باپ کی شفقت سے محرومی تو قسمت میں تھی ہی کسی بہن بھائی کا بھی کوئی پتہ نہیں چلتا والد کا نام محمد عمر اور والدہ کا نام شاہجہان تھا۔ ننھیال کی طرف سے ساغر کا رشتہ دہلی سے جا ملتا ہے۔

ساغر بارہ سال کی عمر تک اپنے پہلے استاد حبیب حسن کے ساتھ رہے۔ آٹھ سال کی عمر میں لکھائی پڑھائی میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ اُس وقت کے اُردو روزنامے "زمیندار۔ احسان۔ انقلاب" اُن کے زیرِ مطالعہ رہے جوانی کے آغاز میں انور صابری۔ ڈاکٹر تاثیر۔ تاجور نجیب آبادی۔ عرش امرتسری۔ شمس مینائی۔ فرخ امرتسری۔ مرزا بیضا خاں اور حسینی امرتسری کے ساتھ مشاعروں میں شرکت کی۔ جلیانوالہ باغ میں انگریزی حکومت کے خلاف نظمیں پڑھیں۔ پہلے ناصر حجازی تخلص کرتے تھے پھر ساغر صدیقی ہو گئے۔

ادبی حلقوں میں امین گیلانی۔ نفیس خلیلی۔ ظہیر کاشمیری۔ احمد راہی۔ مرزا جانباز سے دوستی رہی حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری ساحر لدھیانوی۔ نریش کمار شاد۔ لطیف انور گورداسپوری۔ سید ابو المعاویہ ابوذر بخاری سے بھی کافی ربط ضبط تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں ساغر نے کئی ترانے لکھے۔ زہر آرزو، غم بہار، لوحِ جنوں، شیشۂ دل، شبِ آگہی، مقتلِ گل، سبز گنبد جیسی مشہور کتابوں کی محفل میں ساغر چھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ ساغر کا ایک ایک شعر قلم بیچنے والے انجمن ستائش باہمی کے نام نہاد بلند قامت شاعروں کے ایک ایک دیوان پر حاوی ہے۔ اس کے کلام میں شدتِ احساس اور ندرتِ خیال کے ساتھ ساتھ متانت اظہار بھی پائی جاتی ہے۔

حفیظ جالندھری کہتے ہیں :-

"ساغر صدیقی ایک بہت ہی ہونہار غزل گو تھا۔ جو کچھ ساغر سے میں نے سنا ہے وہ بہت سے موجودہ غزل لکھنے والوں سے برتر ہے۔"

طفیل دارا لکھتے ہیں :-

"ساغر صدیقی غزل کی جملہ خصوصیات و روایات کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے زمانے کے جیتے جاگتے تقاضوں کی رُوح کو اپنے دل کی دھڑکنوں میں سمو کر پیش کرتا ہے۔"

محمد عبداللہ قریشی رقم طراز ہیں :-

"لاہور کی سڑکوں پر ایک سانولے رنگ کا آدمی اکثر سیاہ چادر اوڑھے۔ بال بکھیرے، گریبان کھولے سگرٹ کے دھوئیں اُڑاتا ننگے سر ننگے پاؤں اپنے حال میں مست دیوانہ وار چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔ یہی ساغر صدیقی ہے جسے آوارہ شاعر کہا جاتا ہے۔ فلمی لوگ گھیر گھار کر اسے لے جاتے اور چند سکوں کے عوض اس کے دماغ کا رس نچوڑ لیتے ہیں۔"

شفیق مرزا کہتے ہیں :

"قدرت نے ساغر کو ذہنی لطافت کی دولت سے اس حد تک مالا مال کیا تھا کہ اُس نے حُسن کو ہر رنگ میں دیکھا اور تڑپ کر رہ گیا۔ محبت بھی کی اور فراق کی ٹیسیں بھی جھیلیں ؎

رات کی رانی کا جھونکا تھا کسی کی یاد میں ۔ دیر تک آنگن میں میرے احساس کا مہکا رہا

یونس ادیب لکھتے ہیں :-

"ساغر اس انسان کش سماج میں انسان سے انسان کے پیار کا آرزو مند تھا۔ وہ ایک جوہر خاص تھا۔ انسان کی توہین اور بے چارگی پر تڑپ اٹھتا تھا۔ اُس کی زندگی کا ہر پل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی ذہنی پاکیزگی اور فکری روحانیت کا گواہ ہے۔ وہ ذاتی دکھوں کی جلتی ہوئی گزرگاہ پہ اجتماعی دکھوں کا نمائندہ تھا۔"

اظہر غوری کی رائے میں:

"ساغر درحقیقت مغائرت کی ایسی تمثیل ہیں جس کی وساطت سے ہم انسان کے آئیڈیل کی شکست کے بعد ظہور پذیر نفسیاتی عوامل سے آشنا ہو سکتے ہیں۔ وہ افراد معاشرہ میں کسی ہمدم اور غمگسار انسان کے ہمیشہ متلاشی رہے۔ اُنکے فکری اور داخلی تجربات نے شاعری میں قلب ماہیت کی اور دنیا میں جنم لینے والے بے بس انسانوں کی ہچکی اور گریہ کو طشت از بام کیا۔ ساغر کی شاعری میں فنی سطح پر اس نوع کی رعائیت کا قرینہ موجود ہے کہ شعری ادب میں انھیں ایک ممتاز مقام پر متمکن کیا جاتا۔ اردو ادب کی حیثیت سے کے لئے ہیش لازم ہے۔"

سلیم کاشر، ساغر صدیقی کو یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

وسدا وسدا شہر ادب دا، اک ویرانہ ہویا اے
شہر خموشاں دے دل یار دا کون روانہ ہویا اے
جیوندے جی نے میلی چکڑ چادر لک دوالے سی
مرکے چٹا کفن پیا تے پیر یگانہ ہویا اے
ہن ڈھیری تے کتبہ لاؤ، پانویں پھل چڑھاندے رہو!
جو مویا اوہ جھوٹیاں رسماں توں بیگانہ ہویا اے
جیوندا ساں تے گھر دے چلہے اگ کسے وی بالی نہ
دیوے بالن قبر تے کتھا بڑا زمانہ ہویا اے

ساغر نے ساری عمر شادی نہیں کی۔ مرنے سے پندرہ بیس سال پہلے ساغر اچھا خاصا خوبرو خوش پوش نوجوان تھا۔ جان کو ایسا روگ لگا یا کہ جوانی برباد ہو کے رہ گئی۔ اور آخر کار دور حاضر کا یہ عظیم غزل گو جس نے ساری زندگی بے نیازی میں بسر کی۔ ۲۰ جولائی ۱۹۷۴ء کو راہی ملک بقا ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساغر کے اپنے الفاظ میں:

اس منزلِ حیات سے گزرے ہیں اس طرح۔ جیسے کوئی غبار کسی کارواں کے ساتھ

منتخب کلام:

گر بتا دیں گے بادشاہی کے — ہم فقیروں سے گفتگو کر لو!

یاد رکھنا ہماری تربت کو! — قرض ہے تم پر چار پھولوں کا

معبدوں کے چراغ گل کر دو — قلبِ انسان میں اندھیرا ہے

دوشِ ساغر نے تکیہ بنایا اُنہیں — جتنے پتھر گرے اُن کی دیوار سے

بارہا دیکھا ہے ساغر رہگذرِ عشق میں — کارواں کے ساتھ اکثر رہنما ہوتا نہیں

اشک پیتے رہے ہم۔ کسی اور کو — مے پلاتی رہی رات بھر چاندنی

تلاشِ منزل کے مرحلوں میں یہ حادثہ اک عجیب دیکھا — فریب راہوں میں بیٹھ جاتا ہے سوئے اعتبار بنکر

یہ اور بات کہ تم آئے ہو تو کوئی نہیں — وگرنہ غم یہاں بے شمار رہتے ہیں

ساقی مجھے بھی چاہیئے اک جامِ آرزو — کتنے لگیں گے دام ذرا آنکھ تو ملا

سفینہ لے چلا ہے کس مخالف سمت کو ظالم — ذرا ملاح کو سمجھائیے۔ برسات کے دن ہیں

بے وجہ تو نہیں ہیں چمن کی تباہیاں — کچھ باغبان ہیں برق و شرر سے ملے ہوئے

ساقی نے جھوٹ بولا ہے فصلِ بہار کا — گلشن میں صرف آپ کی انگڑائیاں ملیں

ہائے شہیدِ ناز کی تربت پہ رونقیں — مدھم سی اک شمع ہے دو سوگوار پھول

میں نے پلکوں سے درِ یار پہ دستک دی ہے — میں وہ سائل ہوں جسے کوئی صدا یاد نہیں

جس عہد میں لٹ جائے فقیروں کی کمائی — اُس عہد کے سلطان سے کچھ بھول ہوئی ہے

میرے دامن میں شراروں کے سوا کچھ بھی نہیں — آپ پھولوں کے خریدار نظر آتے ہیں

کل جنہیں چھو نہ سکتی تھی فرشتوں کی نظر — آج وہ رونقِ بازار نظر آتے ہیں

یہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں زرتابی قباؤں میں — سحر کا نام لیکر رات کی تعلیم دیتے ہیں

ہم نے جن کیلئے راہوں میں بچھایا تھا لہو — ہم سے کہتے ہیں وہی۔ عہدِ وفا یاد نہیں

© rasailojaraid.com